AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 6, Issue 1, March 2022, PP: 195-208
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

تفسیرِ قرآن میں ادبِ عربی سے استشہاد: منتخب اُردو تفاسیر کا مطالعہ

Citation from Arabic Literature in Quranic Exegesis: A study of selected Urdu Exegesis

Abrar Ahmad [1], Dr Muhammad Atif Aslam Rao [2*]
[1] Doctoral Candidate, [2] Assistant Professor
Department of Islamic Learning, University of Karachi, Karachi

ABSTRACT

The research paper explores into the intricate relationship between Arabic literature and Quranic exegesis, focusing specifically on the realm of Udru exegesis. The Quran is the fundamental religious text of Islam, has been subject to intensive interpretation and commentary. One fascinating facet of Quranic exegesis is the incorporation of citations from Arabic literature, including pre-islamic poetry, classical Arabic texts and historical narratives, to enhance and elucidate the understanding of Quranic verses. This study aims to explore the dynamics of referencing Arabic literary sources within Urdu Quranic exegesis, shedding light on the diverse ways in which these citations contribute to the interpretation and comprehension of the Qur'ān. Drawing upon a selection of notables selected Urdu exegetical works spanning this century and schools of thought, this research conducts a comprehensive analysis of the patterns, purposes and implications of incorporating citations frpm Arabic literature into Quranic commentary. In conclusion, this study not only contributes to a deeper understanding of the multifaceted nature of Quranic exegesis but also highlights the intricate between Arabic literature and the interpretation of the Qur'ān. This research enriches the discourse surrounding the interpretation on the Qur'ān, paving the way for future exploration of this fascinating field.

Keywords: *Quranic exegesis, pre-Islamic poetry, classical Arabic texts.*

*Corresponding author's email: drraoatif@gmail.com

CC BY

تمہید:

ہندوستان میں اسلام قرونِ اولیٰ میں ہی فاتحین کے توسط سے داخل ہوا، ان کے ساتھ علماءِ کرام بھی یہاں تشریف لائے اور سندھ میں رہائشیں اختیار کیں اور تعلیمِ دین کے لیے مدارس کا قیام عمل میں لایا، اس زمانے میں کچھ علماءِ کرام نے علمِ تفسیر کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔[1]

کلام اللہ دوسری کتب کی طرح کوئی عام کتاب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے، اس لیے اس کی اہمیت بھی زیادہ ہے اور اس کی خدمت کی شرائط بھی انتہائی سخت ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر احمد خان لکھتے ہیں:

"قرآن کریم کی تفسیر اور ترجمے کو الگ الگ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا دوسری کتابوں کے شروح یا تراجم میں ہوتا ہے یہ تو سب جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی ہر وہ سورہ جو کسی دوسری زبان میں تحریر کی جائے گی اس میں قرآن کرم کا ترجمہ تو ضرور شامل ہوگا اسی معیار کی بنا پر ہر تفسیر، ترجمہ قرآن کے ضمن میں آتی ہے، مگر کچھ ایسی تفاسیر کا وجود بھی ہے جن میں قرآن کریم کا پہلے ترجمہ کیا گیا ہے اور پھر توضیح و تشریح کہیں مختصر اور کہیں مفصل کی گئی ہے۔"[2]

ان کے تفسیری ماخذ وہی رہے جنہیں اَسلاف نے تفسیری خدمات کے لیے مَطمحِ نظر بنایا تھا، اردو زبان میں تفسیر لکھنے والوں کی اکثریت ایسی شخصیات پر مشتمل ہے جنھوں نے اپنی تفاسیر کی تیاری میں عربی تفاسیر سے بھرپور استفادہ کیا، آیات بیّنات کی تفسیر میں لغوی، صرفی، نحوی، اعتقادی، فقہی، معاشرتی، معاشی، نجی اور سیاسی مسائل کی ابحاث کا حل پیش کیا، جس سے اُردو دان طبقہ دنیا کے جس خطے میں بھی ہو استفادہ کرتا رہا ہے، دیگر ماخذِ تفسیر سے استفادہ کے ساتھ ساتھ کلامِ عرب کی مختلف اقسام سے بھی استدلال کرتے رہے۔ انہیں تفاسیر سے زیرِ نظر مقالہ میں تین ممتاز منتخب تفاسیر میں کلامِ عرب سے استشہاد کے نظائر پیش کیے جائیں گے۔

زیرِ تبصرہ تفاسیر سے استشہاد کے شواہد:

اس مقالے میں تین تفاسیر ضیاء القرآن، تفہیم القرآن اور معارف القرآن کو چند وجوہات کی بنا پر منتخب کیا گیا ہے، اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ استفادہ، کثرتِ مطالعہ اور علمی حلقوں کے ساتھ ساتھ عوامی سطح پر بکثرت زیرِ استعمال لائے جانے کے اعتبار سے ان تینوں تفاسیر کا شمار اُردو ذخیرۂ تفسیر میں منفرد حیثیت کی حامل تفاسیر میں ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ پیر محمد کرم شاہ اور مفتی محمد شفیع ہر دو کا شمار اپنے اپنے مکتبہ فکر میں بڑے منصب کے حاملین علماء میں ہوتا ہے اور مولانا مودودی کا شمار آزاد خیال علماء میں کیا جاتا ہے، تیسرا یہ کہ ان کی تفاسیر زیادہ مفصل نہیں ہیں بلکہ مجلدات اور اَبحاث کی تفصیل کے لحاظ سے درمیانے درجے کی تفصیل کی حامل تفاسیر ہیں، سطورِ آئندہ میں ان کی تفاسیر سے کچھ ابحاث لغوی، بلاغی، صرفی، نحوی اور اعتقادی پر کلامِ عرب سے استشہاد کی مثالیں تقابل کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں:

لغوی مسائل میں تقابل:

کلام اللہ کا نزول خالص عربی میں ہوا، جس کا وجود بلا شک وشبہہ ہر آمیزش سے پاک ہے، اس زبان کے سوچنے، لکھنے، پڑھنے اور

وضع و ساخت کے اپنے اصول ہیں، لہٰذا کلام اللہ کے تمام الفاظ ایسی جامع اور کامل حیثیت رکھتے ہیں جس کی نظیر کسی اور کلام سے پیش کرنا کبھی ممکن ہی نہیں رہا، کلام اللہ اپنی اس صفت کے ساتھ بالدوام متصف ہے، اسی لیے جب بھی مفسر اس کے الفاظ کی ساخت، وضع اور لغت پر کلام کرتے ہیں تو اس کے لیے اس کے زمانۂ نزول کے محاورے کا سہارا لیتے ہیں، پیر محمد کرم شاہ سورہ نجم کی آیت نمبر 17 کی تفسیر میں لفظِ "زَاغَ" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علامہ جوہری نے "زاغ" کے دو معنی لکھے ہیں۔ الزیغ:المیل وقد زاغ یزیغ وزاغ البصر ای کَلَّ۔[3] یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مڑ جانا، اِدھر اُدھر ہو جانا، اس کو بھی "زیغ" کہتے ہیں، اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ سرورِ عالمیاں ﷺ کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی، اِدھر اُدھر، دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی، دوسرا معنیٰ ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا، جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے، تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اور چُندھیا جاتی ہے، فرمایا میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دَمک سے خیرہ ہو کر چُندھیا نہیں گئیں بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا۔[4]

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں اس مقام پر لغوی وضاحت نہیں کی، نہ ہی کوئی حوالہ ذکر کیا اور نہ کسی محاورے سے استدلال کیا ہے، بلکہ عامیانہ اور سلیس انداز میں تفسیر بیان کی ہے، جیسا کہ لکھتے ہیں:

یعنی ایک طرف رسول اللہ ﷺ کے کمالِ تحمُّل کا حال یہ تھا کہ ایسی زبردست تجلیات کے سامنے بھی آپ ﷺ کی نگاہ میں چکا چوند پیدا نہ ہوئی اور آپ پورے سکون کے ساتھ ان کو دیکھتے رہے، دوسری طرف آپ کے ضبط اور یکسوئی کا کمال یہ تھا کہ جس مقصد کے لیے آپ کو بلایا گیا تھا اسی پر آپ اپنے ذہن اور اپنی نگاہ کو مرکوز کیے رہے اور جو حیرت انگیز مناظر وہاں تھے ان کو دیکھنے کے لیے آپ نے ایک تماشائی کی طرح ہر طرف نگاہیں دوڑانی نہ شروع کر دیں۔[5]

مفتی محمد شفیع نے اس مقام پر قدرے لغوی وضاحت کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

زاغ، زیغ سے مُشتق ہے جس کا معنیٰ ٹیڑھا یا بے راہ ہو جانا اور طغیٰ، طغیان سے مشتق ہے جس کے معنیٰ حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مراد ان دونوں لفظوں سے یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا اس میں نظر نے کوئی خطاء یا غلطی نہیں کی، یہ اس شبہہ کا جواب ہے کہ بعض اوقات انسان کی نظر بھی خطاء کر جاتی ہے، خصوصاً جب کہ وہ عجیب غیر معمولی واقعہ دیکھ رہا ہو، اس شبہہ کے جواب میں قرآن کریم نے دو لفظ استعمال فرمائے، کیوں کہ نظر کی غلطی دو وجہ سے ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ جس چیز کو دیکھنا چاہتا ہو نظر اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف چلی جائے، لفظِ مازاغ سے اس قسم کی غلطی کی نفی کی گئی کہ آپ کی نظر کسی دوسری چیز پر نہیں بلکہ جس کو دیکھنا تھا ٹھیک اسی پر پڑی، دوسری وجہ نظر کی غلطی یہ ہو سکتی ہے کہ نظر پڑی تو اسی چیز پر جسے دیکھنا تھا مگر اس کے ساتھ وہ ادھر اُدھر کی دوسری چیزوں

کو بھی دیکھتی رہی، اس میں بھی بعض اوقات التباس ہو جانے کا خطرہ ہو تا ہے، اس قسم کی غلطی کا ازالہ کے لیے و ما طغیٰ فرمایا۔[6]

خلاصہ:

تینوں مفسرین کے کلام میں مفہوماً کوئی اختلاف نہیں ہے، تینوں نے الفاظ کے معانی ایک جیسے ہی ذکر کیے ہیں، تاہم پیر محمد کرم شاہ نے استشہاد کے ساتھ جو تشریح کی ہے وہ باقی دونوں مفسرین کی تفسیر کی بنسبت قدرے مفصَّل ہے، ایک تو انہوں نے لغوی بحث کو باحوالہ لکھا اور محاورہ ذکر کر کے معنٰی کی وضاحت کر دی اور دوسرا یہ کہہ کر مزید وضاحت کر دی کہ ہم نے یہ معنٰی اپنے مکتبِ فکر کے مطابق لکھا ہے، تاہم دوسرے مکتب فکر کے علماءِ اعلام کے سرخیل امام حسن بصری ہیں، پھر ان حضرات کی بیان کردہ تفسیر کا خلاصہ لکھا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ قاری کو ایک ہی آیت کے تحت اس سے متعلقہ تمام ضروری بحث میسر آجاتی ہے اور آیت کے مفہوم میں آراء کے اختلاف سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے کسی اور ذریعہ کا سہارا نہیں لینا پڑتا، مفتی محمد شفیع نے بھی تفصیل کے بغیر تفسیر کے دونوں پہلوؤں کی طرف صریح اشارہ کیا ہے، یہاں تفصیل اور لغوی تحقیق کے اعتبار سے پیر محمد کرم شاہ کی تفسیر زیادہ مفصل ہے جب کہ مفتی محمد شفیع کی تفسیر درمیانی درجہ کی اور مولانا مودودی قدرے مختصر ہے، لیکن قاری کو کسی بھی تفسیر کے مطالعے سے آیت کے مفہوم تک رسائی حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

تاہم یہ کوئی اصول نہیں ہے کہ ہر جگہ انہی کی تفسیر میں تفصیل ہو بلکہ کئی مقامات پر انہوں نے بھی اختصار سے کام لیا ہے اور صاحبان تفہیم و معارف نے تفصیلاً ابحاث لکھی ہیں، جیسا کہ درج ذیل اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے، سورہ لھب کی تفسیر میں لفظِ "حمّالہ" کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

"حَطَب" ایندھن کو کہتے ہیں، جلانے کی لکڑی، "حَمَّالَۃَ" اٹھانے والی، ان الفاظ سے اس کے معمول کو بیان کیا گیا ہے جس پر وہ عمل پیرا رہی۔ "حمالۃ الحطب" کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے، جو شخص لوگوں کے درمیان چغل خوری کرتا ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں، "فلان یحطب علی فلان اذاورش علیہ"[7] جب کوئی شخص لوگوں کے درمیان چغلیاں کھائے اور مخالفت کی آگ بھڑکائے، اس کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔"[8]

اسی آیت کے ضمن میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

اصل الفاظ ہیں: حَمَّالَۃَ الحَطَب، جن کا لفظی ترجمہ ہے: "لکڑیاں ڈھونے والی" مفسرین نے اس کے متعدد معانی بیان کیے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، ابن زید، ضحاک اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ وہ راتوں کو خاردار درختوں کی ٹہنیاں لاکر رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر ڈال دیتی تھی، اس لیے اس کو لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، مجاھد اور سفیان ثوری کہتے ہیں: کہ وہ لوگوں میں فساد ڈلوانے کے لیے چغلیاں کھاتی پھرتی تھی، اس لیے اسے عربی محاورے کے مطابق لکڑیاں ڈھونے والی کہا گیا، کیوں کہ عرب ایسے شخص کو جو اِدھر کی بات اُدھر لگا کر فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا ہو، لکڑیاں ڈھونے والا کہتے ہیں۔ اس محاورے کے لحاظ سے "حمالۃ الحطب" کے معنی ٹھیک

ٹھیک وہی ہیں، جو اردو میں "بی جمالو" کے معنٰی ہیں۔[9]

مفتی شفیع لکھتے ہیں:

حَمَّالَۃَ الحَطَب، جس کے لفظی معنٰی ہیں سوختہ کی لکڑیاں لادنے والی۔ یعنی آگ لگانے والی، عرب کے محاورات میں چغل خوری کرنے والے کو "حمالۃ الحطب" کہا جاتا تھا، کہ جیسے کوئی سوختہ کی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے، چغل خور کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغل خوری کے ذریعے افراد اور کاندانوں میں آگ بھر کا دیتا ہے، یہ عورت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی ایذا رسانی کے لیے چُغل خوری کا کام بھی کرتی تھی۔[10]

حضرت سیدنا حکیم لقمان کی ہستی اہلِ علم کے نزدیک مسَلَّم ہے، اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ان کے پند ونصائح سورہ لقمان میں ذکر فرمائے ہیں، ان کی ایک نصیحت "ولا تصعر خدک للناس" کی تشریح میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

اصل الفاظ ہیں "ولا تصعر خدک للناس" صعر عربی میں ایک بیماری کو کہتے ہیں جو اونٹ کی گردن میں ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اونٹ ہر وقت اپنا منہ ایک طرف پھیر کر رکھتا ہے، اس سے محاورہ نکلا "فلان صعر خدہ" فلاں شخص نے اونٹ کی طرح اپنا کلّہ پھیر لیا" یعنی تکبر کے ساتھ پیش آیا اور منہ پھیر کر بات کی، اسی کے متعلق قبیلہِ تغلب کا ایک شاعر "عمرو بن حبّی" کہتا ہے:

وَكُنَّا اِذَا الجَبَّارُ صَعَّرَ خَدَّہ
اَقَمنَا لَہ مَيلَہ فَتَقَوَّمَا

ترجمہ: ہم ایسے تھے کی جب کبھی کسی جبار نے ہم سے منہ پھیر کر بات کی تو ہم نے اس کی ٹیڑھ ایسی نکالی کہ وہ سیدھا ہو گیا۔[11]

مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر کے تحت "پانچویں وصیتِ لقمانی متعلقہ آدابِ معاشرت" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

" ولا تصعر خدک للناس" "لا تُصَعِّر، صَعَرَ سے مشتق ہے جو اونٹ کی ایک بیماری ہے جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے جیسے انسانوں میں لقوہ معروف بیماری ہے جس سے چہرہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے، مراد اس سے رُخ پھیر لینا ہے۔[12]

پیر محمد کرم شاہ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

""تصعر" علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ "صعر" اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے جب یہ لگتی ہے تو اونٹوں کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے، "الصعر داءیاخذالبعیر فیلوی منہ عنقہ ویمیلہ" اسی مناسبت سے جب کوئی شخص از راہِ غُرور ونُخُوت اپنا منہ لوگوں کی طرف سے موڑ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں: "قد صعر خدودہ وصاعرہ، امالہ من الکبر" اس مفہوم کی تائید کے لیے انہوں نے جریر کا یہ شعر نقل کیا ہے:

وَكُنَّا اِذَا الجَبَّارُ صَعَّرَ خَدَّہ
اَقَمنَا لَہ مَيلَہ فَتَقَوَّمَا

ترجمہ: ہم ایسے تھے کہ جب کبھی کسی جبّار نے ہم سے منہ پھیر کر بات کی تو ہم نے اس کی ٹیڑھ ایسی نکالی کہ وہ سیدھا ہو گیا۔[13]

نحوی مسائل:

قرآن مجید بے نیاز خدا کا بے نیاز کلام ہے، یہ کسی اصول کا پابند نہیں، اسی لیے کلام اللہ میں کئی ایک مقامات ایسے ہیں جہاں مدون ومروج قواعد واصول کا لحاظ نہیں کیا گیا، لیکن اس سے کلام اللہ کی فصاحت وبلاغت متاثر نہیں ہوتی، کیوں کہ قواعد وضوابط کلام اللہ کے نزول کے بہت بعد استقرائی کوشش سے بنائے گئے ہیں، جن کے لیے کلامِ عرب کا جائزہ لے کر ایک گہری کاوش سے انہیں جمع کیا گیا اور بعد والوں کی سہولت کے لیے مدوّن کر دیا گیا، اس لیے انہیں اکثری کہا جاتا ہے، تاہم متقدمین اور متاخرین مفسرین میں سے تقریباً ہر ایک نے ان مدون اصولوں کا پاس رکھتے ہوئے کلام اللہ کی تفسیر پر قلم اٹھایا، مقالہ نگار نے اسی لحاظ سے زیرِ بحث تفاسیر کو بھی جانچا ہے، ان تفاسیر سے بعض چیدہ چیدہ مقامات جن کی تفسیر نحوی قواعد کی رُو سے کی گئی، کی کچھ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

سورہ شعراء کی آیت نمبر 4 کے ضمن میں پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

"فظلت اعناقهم لها خاضعين" اعناقهم، ظلت کا اسم ہے، خاضعين خبر ہے، نحوی قاعدے کے مطابق خاضعة ہونا چاہیے تھا لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسم اگر مرکبِ اضافی ہو تو اس کی خبر یا اس کے فعل میں مضاف سے مطابقت کا خیال رکھنے کے بجائے مضاف الیہ کی مطابقت کا خیال رکھا جاتا ہے، راجزؔ کا شعر ہے:

طول الليالى اسرعت فى نقضى

طوين طولى وطوين عرضى

یہاں "اسرعت" اور "طوين" کا فاعل "طول الليالى" ہے اور "طول" کیونکہ مذکر ہے اس لیے "اسرع" اور "طوى" ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں "طول" مضاف کو نظر انداز کر کے "الليالى" کا لحاظ رکھا گیا اور فعل کو مؤنث لایا گیا، جریر کا شعر ؎

ارى مر السنين اخذن منى

كما اخذ السرار من الهلال

یہاں بھی "سنين" کی وجہ سے "اخذن" ذکر کیا گیا، اگر "مر السنين" کا لحاظ ہوتا تو اخذ کہا جاتا لیکن ایسا کرنا فقط اس مقام پر درست ہو گا جہاں اگر مضاف کو گرا دیا جائے تو معنی میں فساد نمودار نہ ہو۔[14]

مزید لکھتے ہیں:

لیکن "اعناق، رؤساء" کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، پھر اس تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی، مجاہد نے کہا: "اعناقهم كبرائهم" یعنی اس سے ان کے سرداران اور رؤساء مراد ہیں۔[15]

مفتی محمد شفیع نے اس مقام پر نحوی بحث پر کلام نہیں کیا ، البتہ تفہیمِ مطلب کے لیے جامع بحث لکھ دی ہے۔[16]

مولانا مودودی نے اس آیت کی تفسیر میں نحوی بحث تو نہیں لکھی لیکن انہوں نے اس مقام پر جامع تفسیر بیان کی ہے، جس سے ایت کا مطلب بآسانی سمجھ آجاتا ہے۔[17]

اعتقادی مسائل:

اہلِ عرب بہت سے برے اعتقادات کے حامل تھے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں کی اصلاح فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کے لیے کلام اللہ میں متعدد آیات بینات نازل فرمائیں، لیکن انہیں صرف ایک ہی بات سوجتی تھی کہ ہمارے باپ داد اسی فکر کے حامل تھے، لہٰذا ہم کسی قیمت پر اسے ترک کرنے کے روادار نہیں ہیں، من جملہ ان کے باطل نظریات میں ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، ان کی اس فکر کے نتیجے میں جہاں اعتقادی مسائل جنم لیتے تھے وہیں معاشرتی برائیاں بھی رونما ہوتی تھیں، سورہ زخرف کی آیت نمبر 17 کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

یعنی ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ اگر انہیں بتایا جائے کہ ان کے یہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو ان کے گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے، چہروں پر مایوسی کی سیاہی پھیل جاتی ہے، دل غم واندوہ سے بھر جاتا ہے، بڑی حیرت کی بات ہے کہ ایسی جنس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں انہیں حیا نہیں آتی، ان کی بیوی، بیٹی جنے تو گھر میں آنا جانا بند کر دیتے ہیں، ان کی چہیتی بیگم ان کو چڑیل کی مانند ڈراؤنی نظر آنے لگتی ہے، ایک عرب عورت اپنے خاوند کی اس بے رخی کو یوں بیان کرتی ہے:

ما لِاَبِی حَمزَةَ لَا یَاتِینَا	یَظَلُّ فِی البَیتِ الَّذِی یَلِینَا
غَضبَان اَن لَّانَلِدَ البَنِینَا	وَاِنَّمَا نَاخُذُ مَا اُعطِینَا

ترجمہ: یعنی میرے خاوند ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے وہ ہمارے ہاں آتا ہی نہیں اور ساتھ والے مکان میں ہی رہتا ہے، وہ اس لیے غضب ناک ہے کہ ہم بیٹے کیوں نہیں جنتیں، اس میں ہمارا کیا قصور ہے ہمیں جو ملتا ہے وہی ہم لیتی ہیں۔[18]

فتنۂ خلقِ قرآن جس نے کئی صدیوں تک امت مسلمہ کو رنگارنگ ذہنی کوفت میں مبتلاء کیے رکھا، جس کے باعث امام احمد ابن حنبل جیسی عظیم القدر ہستیاں شہید کی گئیں، جس کی بنیاد صرف کلام اللہ کے چند الفاظ پر نظر تدبُّر نہ کرنے کی وجہ سے پڑی، سورہ ذخرف کی آیت نمبر 3 میں آنے والے لفظِ "جعل"، کی صحیح معنٰی تک رسائی حاصل نہ کرسکنے کے باعث امت میں یہ فتنہ پھوٹا، پیر محمد کرم شاہ لفظِ " جعل " کی لغوی بحث کے ذریعے عقدہ کُشائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں " جَعَلَ " کے لفظ کی تحقیق ذکر کی جائے کیونکہ اس لفظ میں تدبُّر نہ کرنے کے باعث ایک بہت بڑا فتنہ خلقِ قرآن کا رونما ہوا جس نے کئی صدیوں تک امت کو گوناگوں ذہنی پریشانیوں اور دیگر مصائب و آلام میں مبتلا رکھا۔

علامہ راغب نے مفردات میں اس کی جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے، وہ لکھتے ہیں، "جَعَلَ" پانچ وجوہ پر استعمال ہوتا ہے:

(1) صار اور طفق کا ہم معنیٰ۔ اس وقت یہ لازم ہوتا ہے، جیسے "جَعَلَ زَید یقول" (زید کہنے لگا)۔

(2) یہ اوجد اور خلق یعنی پیدا کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اس وقت یہ فقط ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے "جعل الظلمات والنور" (اس نے اندھیروں اور نور کو پیدا فرمایا)۔

(3) کسی چیز سے کوئی اور چیز بنا دینا، جیسے "جعل لکم من الجبال اکنانا" (یعنی اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں گھر بنا دیے)۔

(4) کسی چیز کو ایک حالت پر مخصوص کر دینا جیسے "الذی جعل لکم الارض فراشا" (اس نے تمہارے لیے زمین کو بستر بنا دیا) اس ضمن میں علامہ راغب نے یہ آیت ذکر کی ہے، یعنی ہم اس کتاب کو قرآن عربی بنا دیا۔

(5) کسی چیز پر کسی چیز کا جھوٹا یا سچا حکم لگا دینا جیسے "ویجعلون للہ البنات" (وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بناتے ہیں)۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جعلنا یہاں خلقنا نہیں ہے، ورنہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا حالانکہ کہ یہاں دو مفعول ہیں۔[19]

نوٹ: ان آیات کی تفسیر میں باقی دونوں مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہ اعتقادی بحث نہ چھیڑی اور نہ ہی اس سلسلے میں کلامِ عرب سے کوئی استدلال واستشہاد کیا ہے۔

پیر محمد کرم شاہ سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر 55 کے تحت اہم اعتقادی مسئلے حیاتِ مسیح علیہ السلام کی بابت اسلامی نظریے کے دفاع اور باطل نظریات کی ابطال پر لغوی تحقیق کے تناظر میں لکھتے ہیں:

عربی معانی کا یہ مسلَّمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک معنی حقیقی ہو اور دوسرا مجازی، تو حقیقی معنی کو مجازی معنی پر ترجیح دی جائے گی، ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی لیا جائے گا، لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مراد لینے کے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں معنی حقیقی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو اُلٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔

اب آپ لفظِ "توفی " کے معنی پر غور فرمایئے! تاج العروس میں لفظ "وفی" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وتوفاہ ای لم یدع منہ شیئاً" یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی، امام ابی عبد اللہ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں، "توفیت مالی من فلان ای قبضتہ"[20] یعنی میں نے اس سے اپنا سارا مال واپس لے لیا، یہ تو ہے لفظ "توفی" کا حقیقی معنیٰ۔

ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، لیکن یہ اس کا مجازی معنٰی ہے، جیسے صاحبِ تاج العروس نے لکھا ہے" ومن المجاز ادرکته الوفاة ای الموت والمنية وتوفى فلان اذ مات وتوفاه الله عزوجل اذا قبض روحه" اب آپ خود فیصلہ فرمالیں، کہ ایک لفظ کا حقیقی معنٰی ترک کر کے بغیر قرینے کے اس سے مجازی معنٰی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنٰی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔

آپ پوچھیں گے کہ وہ کون سے ایسے قرائن ہیں؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ایک تو اس آیت کا سیاق وسباق اس امر کا قوی قرینہ ہے، یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے، جو حضرت مسیح کی اُلوہیَّت کے قائل تھے، مقصدِ کلام ہے اثباتِ توحیدِ باری اور بطلانِ اُلوہیَّت مسیح، اگر حضرت مسیح علیہ السلام مر چکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں اور جو مر جائے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے؟ لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس اندازِ بیان کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدعا حضرت عیسی علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں، دوسرا واضح قرینہ حضور صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

"قال الحسن قال رسول الله ﷺ لليهود ان عيسىٰ لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة"[21]

ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنٰی چھوڑ کر مجازی معنٰی مراد نہیں ہو سکتا، اسی لیے جمہور مفسرین اس حقیقی معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"متوفيک ای مستوفی اجلک ومؤ خرک الی اجلک المسمىٰ عاصماً اياک عن قتلهم"[22/23]

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

اصل میں لفظ "متوفیک" استعمال ہوا ہے، توفیٰ کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں، روح قبض کرنا اس لفظ کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنٰی، یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ "To recall" کے معنٰی میں مستعمل ہوا ہے، یعنی کسی عہدہ دار کو اس کے منصب سے واپس بلا لینا، چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانیاں کر رہے تھے، بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی پے در پے کئی انبیاء کو قتل کر چکے تھے اور اس بندۂ صالح کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف انہیں دعوت دیتا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرنے اور انہیں ایک آخری موقع دینے کے لیے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ علیہما السلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا، جن کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کی ایسی کھلی کھلی نشانیاں تھیں کہ ان سے انکار صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو حق وصداقت سے انتہاء درجہ کا عناد رکھتے ہوں اور حق کے مقابلہ میں جن کی جسارت وبے باکی حد کو پہنچ چکی ہو، مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا اور صرف اتنا

ہی نہ کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رد کر دی، بلکہ ان کے ایک رئیس نے علی الاعلان حضرت یحییٰ جیسے بلند پایہ انسان کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر قلم کرا دیا اور ان کے علماء وفقہاء نے سازش کر کے حضرت عیسیٰ کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلوانے کی کوشش کی ، اس کے بعد بنی اسرائیل کی فہمائش پر مزید وقت اور قوت صرف کرنا بالکل فضول تھا ، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بلا لیا اور قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل پر ذلت کی زندگی کا فیصلہ لکھ دیا۔[24]

مفتی محمد شفیع نے بھی اس مقام پر کلامِ عرب کے خاصے مواد سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

انی متوفیک لفظ "توفی" کا مصدر "وفی" ہے، اس کے اصل معنی عربی لغت کے اعتبار سے پورا پورا لینے کے ہیں۔ وفاء، ایفاء، استیفاء اسی معنی کے لیے بولے جاتے ہیں، "توفی" کے بھی اصل معنیٰ پورا پورا لینے کے ہیں، تمام کتبِ لغت عربی زبان اس پر شاہد ہیں اور چونکہ موت کے وقت انسان اپنی اجلِ مقدر پوری کر لیتا ہے اور خدا کی دی ہوئی روح پوری لے لی جاتی ہے، اس کی مناسبت سے یہ لفظ بطورِ کنایہ موت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور موت کا ایک ہلکا نمونہ روزانہ انسان کی نیند ہے، اس کے لیے بھی قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے "الله يتوفى الانفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها"۔[25] جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آتی ان کی نیند کے وقت۔[26]

چند سطور بعد لکھتے ہیں:

اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ موت دینے سے کیا ہے، جیسا کہ "بیان القرآن" کے خلاصے میں اوپر مذکور ہے اور یہی ترجمہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسانیدِ صحیحہ کے ساتھ منقول ہے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی منقول ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس وقت جبکہ یہودی آپ کے قتل کے درپے تھے آپ کی تسلی کے لیے دو لفظ ارشاد فرمائے، ایک یہ کہ آپ کی موت ان کے ہاتھوں قتل کی صورت میں نہیں بلکہ طبعی موت کی صورت میں ہو گی ، دوسرا یہ کہ اس وقت ان لوگوں کے نرغے سے نجات دینے کی ہم یہ صورت کریں گے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے ، یہی تفسیر ابن عباس سے منقول ہے۔[27]

خلاصہ:

اس مقام پر مولانا مودودی کی بیان کردہ تفسیر درحقیقت اسلاف کی تفاسیر کا مختصر خلاصہ ہے ، جسے انہوں نے اپنی مخصوص طرزِ تحریر کے ساتھ لکھا ہے ، لیکن پیر محمد کرم شاہ اور مفتی محمد شفیع ہر دو کی تفسیر میں تفصیل ہے ، انہوں نے اس لفظ "توفی" سے متعلق لغوی بحث کو من وعن نقل کیا، اس کے استعمال کا دائرۂ کار واضح کیا اور آسان انداز میں سمجھا بھی دیا۔ اس آیت کے تحت پیش کی جانے والی ان دونوں کی تفسیری ابحاث کا اگر آپس میں۔

تقابل کیا جائے تو پیر صاحب کی تفسیر میں کلامِ عرب سے استشہاد نسبتاً زیادہ ہے جبکہ مفتی صاحب کی تفسیر میں قدرے کم ہے لیکن مفتی صاحب

کی تفسیر میں اس آیت سے مراد لیے جانے والے مجازی معنیٰ کی تفصیل استناد کے ساتھ ہے، جب کہ پیر صاحب نے صرف حقیقی معنیٰ کی وضاحت پر ہی زور دیا ہے ۔

بلاغی مسائل:

ان مسائل سے مراد، ایسے مسائل ہیں جن کا تعلق علومِ معانی، بیان اور بدیع سے ہو، مفسرینِ کرام نے دیگر علوم کے طرح ان علوم کو بھی کلام اللہ کی تفہیم کے لیے ضروری قرار دیا ہے، تاکہ الفاظِ قرآنیہ کے ظاہری مفہوم کے ساتھ ساتھ ان کا باطنی مفہوم بھی سامنے رہے، جس کے باعث ظاہری وباطنی جہات کا صحیح تدارک بآسانی کیا جاسکے۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر 54 کے لفظِ مکر کی تشریح میں پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

تقریباً ہر زبان میں بلا استثناء ایسے مشترک الفاظ پائے جاتے ہیں جو متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں اور اہلِ زبان ان الفاظ کو بلا تامل ان کے مختلف معانوں میں استعمال کرتے رہتے ہیں، لیکن جب وہی لفظ کسی دوسری زبان میں استعمال ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے اصلی مختلف معانوں میں سے کسی ایک معنیٰ میں مشہور ہو جاتا ہے، اب جب ہم اسے اس کی اصلی زبان میں مستعمل ہوتے ہوئے پاتے ہیں، تو اس کا وہی ایک معنیٰ جو ہمارے ذہن نشین ہو چکا ہوتا ہے چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ چسپاں نہیں ہوتا تو پریشان ہو جاتے ہیں اس کی ایک مثال لفظِ "مکر" ہے، اس کا معنیٰ حیلہ سازی بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف تدبیر کرنے اور کسی کی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے کے معنیٰ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اردو میں ہم اس لفظِ "مکر" کو صرف دھوکہ دہی اور فریب کاری کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں اور جب اس فعل کی نسبت ذاتِ باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک وشبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے، حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذاتِ مقدس ہو جو ہر عیب ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظِ مکر کا معنیٰ صرف تدبیر یا وہ خفیہ طریقہ جس سے دشمنانِ حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے ، کریں گے ،اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا،قال المفضل:ودبروا ودبرا للہ والمکر لطف التدبیر-[28]

اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لیے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علمِ بدیع کے "**قاعدۂ مشاکلت**" کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے، وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں، اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرینِ انصاف کیوں نہ ہو ، مثلاً "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا " یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی طرح، حالانکہ برائی کی سزا بری نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے، یا مثلاً "فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل مااعتدیٰ علیکم" یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرلو ، حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھا کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ

تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔[29]

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

لفظ "مکر" عربی زبان میں لطیف اور خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر وہ اچھے مقصد کے لیے ہو تو اچھا ہے اور برائی کے لیے ہو تو برا ہے، اسی لیے "و لا یحیق المکر السیئ"[30] میں مکر کے ساتھ "سیئ" کی قید لگائی، اردو زبان کے محاورات میں "مکر" صرف سازش اور بری تدبیر اور حیلے کے لیے بولا جاتا ہے، اس سے عربی محاورات پر شبہ نہ کیا جائے ، اسی لیے یہاں خدا کو "خیر الماکرین" کہا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کر دیں، حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھر دیے کہ یہ شخص (معاذ اللہ) ملحد ہے، توراۃ کو بدلنا چاہتا ہے، سب کو بد دین بنا کر چھوڑے گا، اس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے دیا، اُدھر یہ ہو رہا تھا اور اِدھر حق تعالیٰ کی لطیف اور خفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ [31]

سفارشات:

(1) اردو زبان میں لکھی گئی تفاسیر کا کلامِ عرب سے استشہاد کی جہت سے مطالعہ کر کے ان کی مصنفین کے علمی رتبے کے مطابق کام کیا جائے۔

(2) ان تفاسیر کا اول تا آخر بالاستیعاب مطالعہ کر کے استشہادی ابحاث کی تخریج اور جدید اصولِ تحقیق کے مطابق توضیح کر کے باقاعدہ کتابی شکل میں علیحدہ مرتب کیا جائے۔

(3) پیر محمد کرم شاہ اور مفتی محمد شفیع اپنے اپنے مکاتبِ فکر میں اور مولانا مودودی دنیادار پڑھے لکھے طبقے اور اپنے ہم خیال افراد میں اعزازی مقام رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ماننے والے ان کی تصانیف سے استفادہ سعادت جانتے ہیں، لہٰذا قرآن کی تفہیم کے لیے ان کی تفاسیر سے بلاغی، نحوی، صرفی، لغوی اور سیاسی ابحاث پر کلامِ عرب سے استدلال کی جہات تحقیق کے ساتھ زیرِ بحث لائی جائیں۔

(4) جدید تفاسیر کے ساتھ ان کا موازنہ کیا جائے کہ جدید مسائل کے حل کے لیے دیوانِ عرب سے استفادہ کرنے میں یہ تفاسیر کتنا اہم اور گہرا مواد فراہم کرتی ہیں۔

(5) مولانا مودودی اور پیر محمد کرم شاہ کی تفسیر سے سورتوں کے آغاز میں لکھے جانے والے خلاصۂ مضامین کا تقابلی یا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا جائے، مشترکات اور تفردات کی نشاندہی کی جائے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 international license.

حواشی وحوالہ جات

[1]پروفیسر خورشید احمد خان، **تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وہند**(لاہور: جامعہ پنجاب ،2020)ج2،ص60۔

Professor Khurshīd Ahmed Khān, **Tarīkh e Adbiyāt Musalmānān e Pākistān o Hind** (Lahore: University of Punjab, 2020) vol.2, pg.60.

[2]ڈاکٹر احمد خان، **قرآن کریم کے اردو تراجم (کتابیات)** (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،1987ء)ص19۔

Dr. Ahmed Khān, **Qur'ān Karêm k Urdu Tarājim** (Islamābād: Muqtadir Qōmī Zabān, 1987) pg.19.

[3]جوہری، **صحاح**(بیروت: دارالعلم الملایین،1987ء) ج4،ص1320۔

Jōharī, **Šahāh** (Beirut: Dār al-Ilm al-Mlāyīn, 1987) vol.4, pg.1320.

[4]پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**(لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ ،1400 ھ) ج5،ص15۔

Pīr Muhammad Karam Shāh, **Zia al-Qur'ān** (Lahore:Zia al-Qur'ān Publication, 1400H) vol.5, pg.15.

[5]مولانا مودودی، **تفہیم القرآن**(لاہور: ادارہ ترجمان القرآن،1976 ء) ج6،ص201۔

Maulānā Mōdūdī, **Tafhīm al-Qur'ān** (Lahore: Idāra Tarjumān al- Qur'ān, 1976) vol.6, pg.201.

[6]مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**(کراچی: ادارۃ المعارف، جولائی1983 ء) ج8،ص201۔

Muftī Muhammad Shafī, **Maārif al-Qur'ān** (Karachi: Idāra al-Maārif , July1983) vol.8, pg.201.

[7]ابن قتیبہ دینوری، **غریب القرآن**(بیروت: دارالکتب العلمیہ) ج1،ص475۔

Inb e Qutaiba Dīnōrī, **Gharīb al-Qur'ān** (Beirut: Dār al-Kutb al-Ilmia) vol.1, pg.475.

[8] پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن** ،ج5،ص707۔

Pīr Muhammad Karam Shāh, **Zia al-Qur'ān**, vol.5, pg.707.

[9] مولانا مودودی، **تفہیم القرآن**،ج6،ص527۔

Molānā Mōdūdī, **Tafhīm al-Qur'ān**, vol.6, pg.527.

[10]مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**،ج8،ص840۔

Muftī Muhammad Shafī, **Maārif al-Qur'ān**, vol.8, pg.840.

[11]مودودی، **تفہیم القرآن**،ج4،ص18۔

Molānā Mōdūdī, **Tafhīm al-Qur'ān**, vol.4, pg.18.

[12]مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**،ج7،ص47۔

Muftī Muhammad Shafī, **Maārif al-Qur'ān**, vol.7, pg.47.

[13]پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن** ،ج3،ص610۔

Pīr Muhammad Karam Shāh, **Zia al-Qur'ān**, vol.3, pg.610.

[14]ایضاً،ج3،ص384۔

Same, vol.3, pg.384.

[15]ایضاً،ج3،ص384۔

Same, vol.3, pg.384.

[16]مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، ج6، ص641۔

Muftī Muhammad Shafī, **Maārif al-Qur'ān**, vol.6, pg.641.

[17] مولانا مودودی، **تفہیم القرآن**، ج3، ص476۔

Molānā Mōdūdī, **Tafhīm al-Qur'ān**, vol.3, pg.476.

[18] پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ج4، ص406۔

Pīr Muhammad Karam Shāh, **Zia al-Qur'ān**, vol.4, pg.406.

[19] ایضاً، ج4، ص400۔

Same, vol.4, pg.400.

[20] قرطبی، **الجامع لاحکام القرآن** (بیروت: موسسۃ الرسالہ) ج4، ص100۔

Qurṭabī, **Al-Jāme Lil Ahkām al-Qur'ān** (Beirut: Mosisat al-Risāla) vol.4, pg.100.

[21]ابن جریر، **طبری جامع البیان** (ریاض: دارِ عالم الکتب، 2013ء) ج5، ص448۔

Ibn e Jarīr, **Ṭabrī Jāme al-Byān** (Riyād: Dār e Ālim al-Kutb, 2013) vol.5, pg.448.

[22] قاضی بیضاوی، **التفسیر البیضاوی** (بیروت: دارالفکر، 1996) ج2، ص45۔

Qāzī Baizāvī, **Al-Tafsīr Al- Baizāvī** (Beirut: Dār al-Fikar, 1996) vol.2, pg.45.

[23] پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ج1، ص197۔

Pīr Muhammad Karam Shāh, **Zia al-Qur'ān,** vol.1, pg.197.

[24]مودودی، **تفہیم القرآن**، ج1، ص257۔

Molānā Mōdūdī, **Tafhīm al-Qur'ān**, vol.1, pg.257.

[25]القرآن 39: 42۔

Al- Qur'ān 39:42.

[26]مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، ج2، ص95۔

Muftī Muhammad Shafī, **Maārif al-Qur'ān**, vol.2, pg.95.

[27]ایضاً، ج2، ص95۔

Same, vol.2, pg.95.

[28]ابو حیان اندلسی، **البحر المحیط**، (بیروت: دارالفکر، 1992ء) ج3، ص175۔

Abu Haŷān Undulusī, **Al-Bahar Al-Muhīṭ** (Beirut: Dār al-Fikar, 1992) vol.3, pg.175.

[29] پیر محمد کرم شاہ، **ضیاء القرآن**، ج1، ص197۔

Pīr Muhammad Karam Shāh, **Zia al-Qur'ān**, vol.1, pg.197.

[30]القرآن، فاطر: 43۔

Al- Qur'ān 35:43.

[31]مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، ج2، ص94۔

Muftī Muhammad Shafī, **Maārif al-Qur'ān**, vol.2, pg.94.